ابو یحییٰ

اسلام، اسلام ازم اور مغرب

[یہ المورد کے فیلو جناب ابو یحییٰ کی ایک تقریر کا متن ہے۔ اس کا انگریزی ترجمہ یونیورسٹی آف ویسٹرن آسٹریلیا، پرتھ میں منعقد ہونے والی ایک کانفرنس میں پڑھا گیا۔ ادارہ]

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

انسان اس دھرتی پر کتنے عرصے سے آباد ہے، یہ بات کچھ قطعیت کے ساتھ تو نہیں بتائی جا سکتی، لیکن معلوم انسانی تاریخ کا مطالعہ یہ بتاتا ہے کہ اس کرۂ ارض پر انسانوں کی تاریخ باہمی تصادم اور خون ریزی سے عبارت ہے۔ پوری انسانی تاریخ کا احاطہ کرنا تو اس مختصر گفتگو میں ممکن نہیں، لیکن ہم جانتے ہیں کہ ہابیل وقابیل سے شروع ہونے والے تنازعات نے پہلے قبائلی جھگڑوں اور پھر بادشاہوں اور خاندانوں کی حکومت کی شکل میں قوموں کے درمیان مستقل جنگ وجدل کی شکل اختیار کر لی۔ اگر ہم جدید تاریخ کی بات کر لیں تو چھوٹے بڑے تنازعات کی ایک طویل فہرست ہمارے سامنے آتی ہے۔

دور جدید کی تاریخ کے دو مراحل گزر چکے ہیں۔ دور جدید کی تاریخ کا پہلا مرحلہ وہ تھا جب اقوام عالم قومی ریاستوں کی بنیاد پر تقسیم تھیں۔ اس دور میں مغرب کی اقوام علم وفن اور ٹیکنالوجی سے مسلح ہو کر اپنے ممالک سے نکلیں اور پوری دنیا پر اپنا اقتدار قائم کر لیا۔ بعد میں جنگ عظیم اول اور دوم کے نتیجے میں سامراجی ممالک کی قوت ختم ہو گئی۔ نو آبادیاتی ریاستیں ایک ایک کر کے آزاد ہو گئیں۔ تاہم اس کے بعد اقوام عالم ایک نئی کش مکش کا شکار ہو گئیں۔ یہ کش مکش نظریاتی بنیادوں پر تھی جس میں جدید دنیا کے اہم اور طاقت ور ترین ممالک، کمیونزم اور سرمایہ دارانہ نظام کی بنیاد

پر، امریکا اور سوویت یونین کے زیر سایہ، دو حصوں میں تقسیم ہوگئے۔ یوں بیسویں صدی کا نصف آخر دو عظیم سپر پاورز کی باہمی چپقلش سے عبارت رہا۔ یہ وہ دور تھا جب بظاہر غیر جانب دار کہلائے جانے والے ممالک بھی کسی نہ کسی اعتبار سے دو سپر پاورز سے متعلق تھے۔ ان ممالک کی یہ کش مکش صرف نظریاتی بنیادوں تک محدود نہ تھی، بلکہ اس عرصے میں دنیا ایٹمی جنگ کی شکل میں اپنی مکمل فنا کے خطرے سے دوچار رہی۔ اس کے علاوہ سپر پاورز کی پراکسی وار اور دیگر ممالک کی باہمی جنگ وجدل میں انسانی خون مسلسل بہتا رہا۔ دور جدید کی تاریخ کا یہ دور سوویت یونین کے خاتمے کے ساتھ تمام ہوا۔

کمیونزم کے زوال کے نتیجے میں سوویت یونین ختم ہوا تھا، دنیا نہیں۔ چنانچہ سرد جنگ کے فاتح اہل مغرب کے ذہنوں میں یہ سوال پیدا ہونا شروع ہوا کہ اب دنیا کے معاملات کس اصول پر چلیں گے؟ اقوام عالم کی نئی صف بندی کن اساسات پر ہوگی؟ نیا عالمی نظام کن بنیادوں پر استوار ہوگا؟ ان سوالات کے نتیجے میں بہت سے جوابات سامنے آئے، مگر جس نقطۂ نظر نے دنیا بھر کے اہل علم ودانش کی توجہ حاصل کی، وہ سیموئل پی ہنٹنگٹن کے شہرۂ آفاق مضمون ''تہذیبوں کا تصادم'' میں پیش کیا گیا۔ یہ مضمون ۱۹۹۳ء میں ''فارن افیئرز'' نامی جریدے میں شائع ہوا۔ بعد میں مصنف نے اسی عنوان سے ایک کتاب میں اپنے نقطۂ نظر کو تفصیلی دلائل کے ساتھ موید کر کے پیش کیا۔

www.javedahmadghamidi.org
www.al-mawrid.org

اس کتاب کی اشاعت پر قریباً ربع صدی کا عرصہ گزر چکا ہے اور اس دوران میں پلوں کے نیچے سے بہت سا پانی بہ چکا ہے۔ بہت سے لوگوں کا خیال ہے کہ بین الاقوامی سیاست میں اس وقت جو کچھ ہو رہا ہے، اس کی سب سے بہتر تفہیم، بلاشبہ اسی خاکے کی بنیاد پر کی جا سکتی ہے جو ''تہذیبوں کا تصادم'' میں پیش کیا گیا تھا۔ یہ کتاب اپنے صفحات کے اعتبار سے تو بے حد ضخیم ہے، مگر مرکزی خیال کے اعتبار سے بہت مختصر۔ یعنی سرد جنگ کے بعد کی دنیا ثقافتی بنیادوں پر تقسیم ہوگی اور یہی تقسیم مستقبل کی جنگ وامن کے سلسلے میں فیصلہ کن ہوگی۔

یہ کتاب ایک خاص نقطۂ نظر کی تنقید میں لکھی گئی تھی جو سرد جنگ کے خاتمے اور کمیونزم کے خلاف مغرب کی کامیابی کے بعد مغربی حلقوں میں بڑا مقبول ہوا تھا۔ یعنی آزاد، جمہوری اور سرمایہ دارانہ مغربی معاشرہ انسانی فکری ارتقا کی آخری حد ہے۔ جس کے بعد دنیا پر واضح ہو چکا ہے کہ یہی اقدار مبنی برحق ہیں۔ دنیا انھیں قبول کر رہی ہے۔ اسے ایسا ہی کرنا چاہیے۔ اس عمل کے نتیجے میں ایک عالمی آفاقی تہذیب وجود میں آجائے گی جس کا امام مغرب ہوگا۔ اس نقطۂ نظر کی نمایندہ کتاب ۱۹۸۹ء میں شائع ہونے والی فرانسس فوکویاما کی کتاب ''The End of History'' تھی۔

مصنف نے اس نقطۂ نظر کو رد کرتے ہوئے اہل مغرب پر یہ بات واضح کرنے کی کوشش کی ہے کہ سرد جنگ کے

بعد بین الاقوامی تصادم ختم نہیں ہوا، بلکہ اس کی اساسات بدل گئی ہیں۔ پہلے یہ تصادم قومی اور نظریاتی بنیادوں پر ہوتا تھا اور اب تہذیبی بنیادوں پر ہوگا۔ مصنف واضح طور پر یہ بتاتے ہیں کہ مغرب کا ٹکراؤ ممکنہ طور پر چین اور مسلم دنیا سے ہوگا۔

آج ہم دور جدید کے تیسرے دور میں سانس لے رہے ہیں۔ بہت سے حلقے ہنٹنگٹن کی اس راے سے نہ اس وقت متفق تھے اور نہ آج ہیں۔ مگر دنیا کو دیکھنے کا ایک تناظر یہ ہے کہ کیا ہونا چاہیے اور دوسرا یہ کہ درحقیقت کیا ہو رہا ہے۔ پہلے زاویے سے دیکھا جائے تو ہم میں سے کوئی بھی ہنٹنگٹن سے اتفاق نہیں کرنا چاہے گا۔ دوسرے زاویے سے جب ہم پوسٹ نائن الیون دنیا کا جائزہ لیتے ہیں تو دیکھتے ہیں کہ اس سے اختلاف کرنا آسان نہیں ہے۔ القاعدہ کا ۲۳ فروری ۱۹۹۸ء کا افغانستان سے جاری کیا ہوا وہ فتویٰ ہو جس میں امریکا اور اس کے اتحادیوں کے خلاف اعلان جہاد کرتے ہوئے فوجی اور سویلین کا قتل جائز قرار دیا گیا یا پھر نائن الیون کا واقعہ ہو، امریکا کا افغانستان اور پھر عراق پر حملہ ہو یا دہشت گردی کے خلاف عالمی جنگ کا معاملہ ہو یا القاعدہ، طالبان اور اب داعش کی مغربی طاقتوں سے مسلسل جنگ ہو، سب اس بات پر شاہد ہیں کہ مسلم تہذیب اور مغربی تہذیب کلی نہ سہی، مگر جزوی طور پر حالت جنگ میں ہیں۔ اس جزوی جنگ کے نتیجے میں لوگوں میں دوریاں پیدا ہونا شروع ہوگئی ہیں۔ ایک طرف مسلم ممالک کے عوام میں مغربی ممالک کے خلاف نفرت بڑھ رہی ہے اور دوسری طرف بعض مغربی ممالک میں برقنی اور اسکارف پر پابندی، اسلاموفوبیا کے فروغ، مسلمان مخالف سیاست دانوں کی مقبولیت اور مسلم ممالک کے لوگوں کو معقول وجوہات کے باوجود مغربی ممالک کے ویزہ نہ ملنے کا عمل اس بات کا اظہار ہے کہ دونوں طرف ہے آگ برابر لگی ہوئی۔

یہ صورت حال بتاتی ہے کہ یہ جزوی تصادم اسلام اور مغرب کے مکمل تصادم میں بدل سکتا ہے، اگر ہم نے صورت حال کو بہتر بنانے میں اپنا کردار ادا نہیں کیا۔ یہ طالب علم ایک مسلمان اور اسلام کے ایک نمایندے کی حیثیت سے یہ چاہتا ہے کہ وہ اسلام کا نقطۂ نظر سامنے رکھے۔ اور یہ واضح کرنے کی کوشش کرے کہ اسلام کی اصل تعلیم عالمی تصادم کو ختم کرنے کی صلاحیت رکھتی ہے۔ یہ فرد، معاشرے اور تمام انسانیت کے لیے خیر و فلاح کا پیغام ہے۔

اس طالب علم کے نزدیک یہ اسلام اور مغرب کی جنگ نہیں، بلکہ اسلام کے نام پر بیسویں صدی میں متعارف کرائی جانے والی دین کی ایک سیاسی تعبیر، یعنی سیاسی اسلام، یعنی اسلام ازم اور مغرب کے بعض سیاسی گروہوں کی جنگ ہے جن کے مفادات جنگ اور تصادم سے وابستہ ہیں۔ اسلام ازم کی فکر کو بیسویں صدی کے ربع اول میں قبل از تقسیم ہندوستان میں مولانا مودودی اور مصر میں حسن البنا نے متعارف کرایا تھا۔ بعد میں مصر کے سید قطب نے اس فکر کو

www.javedahmadghamidi.org www.al-mawrid.org

اپنے قلم سے مزید طاقت بخشی تھی۔

اس فکر کا بنیادی خیال یہ تھا کہ اسلام کل دنیا میں اپنا غلبہ قائم کرنے کے لیے آیا ہے۔اس لیے مسلمانوں کی یہ ذمہ داری ہے کہ پہلے اپنے معاشروں میں اور پھر پوری دنیا میں اسلام کو سیاسی طور پر غالب کر دیں۔اس فکر کے پیش کرنے والوں کے نزدیک مسلم ممالک میں جو اشرافیہ حکمران ہے، وہ سیکولرازم کی علم بردار، مغربی تہذیب سے متاثر اور انھی کے مفادات کی نگہبان ہے۔ چنانچہ ان کو اقتدار سے ہٹا کر اقتدار پر قبضہ کرنا، کرنے کا بنیادی کام ہے۔ابتدا ہی میں اس فکر کے حاملین کا ٹکراؤ اپنے ملک کی قیادت سے ہوگیا۔خاص کر مصر اور دنیاے عرب اس تصادم کا بڑا میدان تھی۔ پاکستان میں خوش قسمتی سے مولانا مودودی نے جمہوری راستہ اختیار کر لیا تھا، اس لیے وہاں یہ ٹکراؤ فکری اور سیاسی میدان تک ہی رہا۔ پاکستان میں اسلام کو ریاستی سطح پر نافذ کرنے کے لیے دستوری جدوجہد کے ذریعے بہت سی تبدیلیاں اور ترامیم کی گئیں۔ یوں پاکستان میں دہشت گردی کی موجودہ لہر سے قبل یہ ایک دستوری جدوجہد ہی رہی۔

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

۱۹۷۹ء میں جس وقت سوویت یونین نے افغانستان پر قبضہ کیا تو امریکا کی سربراہی میں مغربی ممالک اور اسلامی ممالک کے اتحاد نے اپنی پراکسی جنگ لڑنے کے لیے اسلامسٹ فکر کو نہ صرف فروغ دیا، بلکہ عملی طور پر انھیں ہر ممکن سہولت، جنگی تربیت، اسلحہ اور مالی معاونت فراہم کی۔مغرب کی سیاسی قیادت نجانے اس بات سے کیوں انجان بن گئی کہ وہ افغانستان کرائے کے سپاہی نہیں بھیج رہے، بلکہ اسلام ازم کی فکر کو ایک نرسری فراہم کر رہے ہیں جس کا آخری ہدف پوری دنیا پر اسلام کا سیاسی غلبہ قائم کرنا ہے۔جن کے نزدیک مغربی سیکولر نظام ہو یا مسلم آمرانہ اور جمہوری حکومتیں سب ہی حکومت سے معزول کیے جانے کے قابل ہیں۔ چنانچہ یہ کچھ افراد کو طاقت دینے کا عمل نہیں تھا، بلکہ ایک عالمی سیاسی غلبہ کی دعوے دار فکر کو طاقت ور بنانے کے ہم معنی تھا۔افغانستان کی فکر ختم ہوگئی، مگر یہ نظریہ زندہ تھا۔چنانچہ یہی وہ نظریہ ہے جو ایک کے بعد دوسری تنظیم اور ایک کے بعد دوسرے لیڈر کی شکل میں آج بھی ظاہر ہو رہا ہے۔

اسلام ازم کی اس فکر پر عالم اسلام میں بہت طاقت ور علمی اور فکری تنقیدیں ہو چکی ہیں۔مگر زمینی حالات کی بنا پر ان تنقیدوں کو اپنی تمام تر صحت کے باوجود مسلمانوں کی فکری قیادت میں زیادہ قبولیت نہیں ملی۔اس کا سبب پچھلی دو صدیوں میں مسلم ممالک پر مغربی ممالک کی تاریخ ہے۔جبکہ اس صورت حال کو پیچیدہ بنانے میں کشمیر اور فلسطین کے سیاسی تنازعات نے اہم کردار ادا کیا ہے جو عام مسلمانوں میں اینٹی مغرب خیالات کے فروغ کا اہم سبب ہیں۔

ایسے میں اہل مغرب کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ دنیا کے لیڈر ہونے کی ذمہ داری کو قبول کرتے ہوئے جلد از جلد سیاسی تنازعات کے خاتمے کے لیے کوشش کریں۔ جبکہ دوسری طرف ضروری ہے کہ اب عام لوگوں تک اسلام کا اصل پیغام قرآن مجید اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ کی روشنی میں پہنچایا جائے تا کہ اسلام کا امن اور محبت پر مبنی روشن چہرہ لوگوں کے سامنے نمایاں ہو۔

قرآن مجید کے مطابق اللہ تعالیٰ نے یہ دنیا انسانوں کے امتحان کے لیے بنائی ہے۔ امتحان یہ ہے کہ کون غیب میں رہتے ہوئے اللہ پروردگار پر ایمان لاتا ہے اور اس کے احکام پر اپنی آزادانہ مرضی سے عمل کرتا ہے۔ یہاں ہر شخص کو اختیار ہے کہ ایمان لائے یا انکار کردے۔ قرآن مزید وضاحت کرتا ہے کہ دین میں کوئی جبر نہیں۔ اس پہلو سے دیکھیں تو اسلام ایک دعوت ہے۔ یہ کوئی جبر نہیں ہے۔ یہ اپنی مرضی سے خدا کے حکم کے سامنے جھک جانے کا نام ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کو بن دیکھے اس کے سامنے جھک جانے کا نام ہے۔ یہ اختیار رکھتے ہوئے بے اختیار ہو جانے کا نام ہے۔ اسلام دوسروں پر دین ٹھونسنے کا نام نہیں۔ یہ دوسروں کی خیر خواہی کے جذبے سے ان تک ان کے رب کا پیغام پہنچانے کا نام ہے۔ جو لوگ ایمان لائیں قرآن مجید ان کے سامنے اپنے نفس کے تزکیہ کا ہدف رکھتا ہے۔ اس کے ساتھ ان کو یہ بشارت دیتا ہے کہ جس شخص نے تزکیۂ نفس کا راستہ اختیار کیا وہ جنت کی ابدی کامیابی کے حق دار ہیں اور جو نفس کو آلودہ کریں گے، ان کے لیے آخرت کی نامرادی ہوگی۔

اس تزکیۂ نفس کا جو راستہ دین بیان کرتا ہے، وہ ایمان و عمل صالح کے کچھ مطالبات ہیں جو قرآن میں بیان ہوئے ہیں۔ ان مطالبات کا بنیادی خلاصہ یہ ہے کہ انسان اپنے خالق کے ساتھ اور مخلوق خدا کے ساتھ اپنا تعلق درست بنیادوں پر استوار کرلے۔ یہ درست بنیادیں عدل، احسان اور انفاق ہیں۔ قرآن مجید ان تین چیزوں کو اختیار کرنے کا حکم دیتا ہے اور تین چیزوں، یعنی بدکاری، حق تلفی اور ظلم سے رکنے کا حکم دیتا ہے۔ چنانچہ اسلام کی تعلیمات ایک طرف فرد کو آنے والی دنیا میں کامیابی کی بشارت دیتی ہیں اور دوسری طرف دنیا میں انسانیت کے لیے فلاح و بہبود کا سامان ہیں۔ اس لیے کہ دنیا میں ہمیشہ فساد کی وجہ یہی رہی ہے کہ لوگ عدل، احسان، دوسروں کی مدد سے گریزاں رہتے ہیں اور بدکاری، ظلم اور حق تلفی کا راستہ اختیار کرتے ہیں۔

اسلام نے اپنے پیروکاروں کے سامنے جو مطالبات رکھے ہیں، ان میں سے بیش تر کا تعلق افراد کی ذاتی زندگی سے ہے۔ یہ مطالبات انسان کے جسم کی پاکیزگی اور خورونوش کی پاکیزگی کے حوالے سے ہیں۔ یہ احکام خدا کی عبادت اور اس کے بارے میں درست نقطۂ نظر رکھنے کے حوالے سے ہیں۔ یہ احکام مخلوق خدا کے ساتھ عدل واحسان کے

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

تقاضے پورا کرنے کے حوالے سے ہیں۔ یہ احکام بدکاری سے رکنے اور عفت کے فروغ کے حوالے سے ہیں۔

تاہم، انسان چونکہ ایک سماجی وجود ہے، اس لیے قرآن مجید نے انسان کی معاشرتی حیثیت کو ملحوظ رکھ کر بھی کچھ احکام دیے ہیں۔ چنانچہ ایک فرد جب شوہر بنتا ہے تو اس حیثیت میں کچھ ذمہ داریاں اس پر عائد ہوجاتی ہیں۔ والدین اور اولاد کے تعلق کی شکل میں کچھ اور ذمہ داریاں اس پر عائد ہوتی ہیں۔ قرابت داروں سے معاملہ کرتے ہوئے کچھ ذمہ داریاں اس پر عائد ہوتی ہیں۔

معاشرے کی سیاسی تنظیم ریاست ہے۔ چنانچہ کوئی شخص اس ریاستی ڈھانچے کا حکمران بنتا ہے تو دین اس پر بھی کچھ ذمہ داریاں عائد کر دیتا ہے۔ مثال کے طور پر ضرورت کے موقع پر جنگ و جہاد کا فیصلہ کرنا۔ جرائم کی سرکوبی کے لیے کچھ خاص جرائم کے حوالے سے دی گئی سزاؤں کو نافذ کرنا۔ جمعہ کا اہتمام کرنا۔ نیکی کے فروغ اور برائیوں کے پھیلاؤ کو روکنے میں اپنا کردار ادا کرنا، زکوٰۃ کی وصولیابی وغیرہ۔

اسی طرح معاشرے میں خیر و شر کا شعور قائم رکھنے کے لیے اور دین کی دعوت کو زندہ رکھنے کے لیے یہ حکم دیا گیا ہے کہ معروف، یعنی مسلمہ طور پر مانی ہوئی اچھائیوں جیسے انصاف، دیانت، رحم وغیرہ کی تلقین کی جائے اور منکر، یعنی مسلمہ طور پر بری مانی ہوئی برائیوں جیسے ظلم، رشوت، دھوکا دہی سے لوگوں کو روکا جائے۔ علما کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ معاشرے کے تمام طبقات کو انذار کریں۔ یعنی خدا کے حضور پیشی کا احساس زندہ رکھیں اور لوگوں کو اللہ کے احکام پر عمل کرنے کی تلقین کریں تاکہ وہ اللہ کی پکڑ کی زد میں نہ آئیں۔ حکمران بھی اگر اپنی ذمہ داریاں پوری نہ کریں تو ان کو بھی وعظ و نصیحت ہی کیا جا سکتا ہے۔ یہی علما کے کرنے کا کام ہے۔

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

دین کی ان تعلیمات کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کی آزادی کو کسی پہلو سے ختم نہیں کیا۔ جس طرح ایمان لانے یا نہ لانے کی آزادی ہے، اسی طرح دینی احکام پر عمل کرنے نہ کرنے کی بھی پوری آزادی ہے۔ اسلام منافقین پیدا نہیں کرنا چاہتا جو ظاہر میں نیک ہوتے ہیں اور اندر سے منکر ہوتے ہیں۔ چنانچہ آزادی کی اس قدر کو تمام دینی احکام میں بھی پوری طرح برقرار رکھا گیا ہے۔ فرد کو جو احکام ذاتی حیثیت میں دیے گئے ہیں، وہ آزاد ہے کہ ان پر عمل کرے یا نہ کرے۔ البتہ قرآن یہ ضرور بتاتا ہے کہ بن دیکھے خدا کی اطاعت کا بدلہ ابدی جنت اور خدا کو نظر انداز کرنے کا نتیجہ جہنم کا قید خانہ ہے۔ انسان کی ابدی کامیابی اور نجات خدا کی مرضی کی زندگی گزارنے پر منحصر ہے، لیکن یہ مکمل طور پر انسانوں کا اختیار ہے کہ وہ اس دنیا میں چاہیں تو بندگی کا راستہ اختیار کریں چاہیں تو نہ کریں۔ وہ چاہیں تو عدل، احسان، انفاق کی مثبت اقدار کو اختیار کرنے اور بدکاری، ظلم اور حق تلفی جیسی منفی صفات

سے روکنے والی فطری تعلیمات کو اختیار کریں اور چاہیں تو نہ کریں۔ مگر اس پورے معاملے میں جبر نہیں ہے۔ زبردستی نہیں ہے۔

تاہم، غلط کو غلط کہا جائے گا، اس سے باز آنے کی تلقین کی جائے گی۔ صحیح کو صحیح کہا جائے گا، اسے اختیار کرنے کی تلقین کی جائے گی۔ نصیحت کی جائے گی۔ یاددہانی کرائی جائے گی۔ برائی کا برا ہونا اور اچھائی کا اچھا ہونا واضح کیا جائے گا، لیکن لوگوں کے اختیار پر پہرے نہیں بٹھائے جائیں گے۔ ہاں جن لوگوں کو اجتماعی ذمہ داریاں دی گئی ہیں، چاہے معاشرے کی سطح پر ہوں یا ریاستی سطح پر، ان کی ذمہ داری ہے کہ وہ ان احکام کی پیروی کریں جن کا ان کو حکم دیا گیا ہے۔ چنانچہ حکمران معاشرے میں نیکی کے فروغ کے لیے اقدامات کریں گے۔ وہ حق تلفی اور ظلم روکنے کے لیے قانون سازی کریں گے۔ قتل اور چوری کی سزا دیں گے۔ فساد فی الارض اور زنا کی سزا پر عمل درآمد کریں گے۔ لیکن حکمرانوں کا یہ حق نہیں کہ وہ مثال کے طور پر لوگوں کو روزہ رکھوائیں اور نہ رکھنے پر سزا دیں۔ خواتین کو ڈرائیونگ کرنے سے روکیں، مردوں کو ڈاڑھیاں رکھوائیں یا خواتین کو پردہ کرائیں۔ یہ فرد کا ذاتی دائرہ ہے۔ اس میں اسے مکمل آزادی حاصل ہے۔ یہ اس کا اور اس کے رب کا معاملہ ہے۔ ایک مسلمان کا یہ حق ہے کہ کوئی حکم سمجھ میں نہیں آتا وہ علما کے پاس جا کر دین سمجھے گا۔ جس عالم کی بات قرآن وسنت سے قریب محسوس ہوئی، اسی پر عمل کرے گا۔ لیکن اس پر کوئی چیز زبردستی نہیں ٹھونسی جا سکتی۔

www.al-mawrid.org www.javedahmadghamidi.com

اسی طرح یہ بات بھی یاد رہے کہ غیرمسلموں کے ساتھ اہل اسلام کا تعلق نفرت یا تصادم کا نہیں، بلکہ ان کا باہمی رشتہ داعی اور مدعو کا ہے۔ ختم نبوت کے بعد مسلمان اپنے دین پر عمل کرکے اور اپنے دین کی تعلیمات کو دوسرے تک پہنچا کر لوگوں کو اسلام کا پیغام پہنچائیں گے۔ لوگوں پر سیاسی طور پر غالب آنا، ان کے ہاتھ سے اقتدار چھین کر ان کے ملکوں پر قبضہ کرنا یہ مسلمانوں کا کام نہیں ہے۔

اس معاملے میں جو غلط فہمی ہوئی ہے، وہ رسولوں اور ان کے اولین مخاطبین کے حوالے سے قرآن مجید میں بیان کیے گئے خاص احکام ہیں۔ قرآن مجید کے مطابق اللہ تعالیٰ جس قوم میں کوئی رسول بھیج دے، اس کا فیصلہ دنیا میں ہو جاتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

> ''ہر قوم کے لیے ایک رسول ہوتا ہے اور جب ان کا رسول آ جاتا ہے تو ان کے درمیان عدل سے فیصلہ کر دیا جاتا ہے اور ان پر ظلم نہیں کیا جاتا۔'' (یونس ۱۰: ۴۷)

چنانچہ اسی اصول پر قوم نوح، عاد، ثمود، آل فرعون، قوم لوط اور قوم شعیب وغیرہ کو تباہ کر دیا گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم کو چونکہ کافی صحابہ مل گئے تھے، اس لیے ان کے معاملے میں یہ فیصلہ ہوا کہ انسانوں کی تلوار سے عذاب آئے گا۔ چنانچہ ارشاد ہوا:

''ان سے لڑو، اللہ تمھارے ہاتھوں سے ان کو عذاب دے گا۔'' (التوبہ ۹: ۱۴)

چنانچہ قریش کی لیڈرشپ کو اسی اصول پر بدر میں قتل کیا گیا۔ تاہم باقی عرب ایمان لے آیا۔ اور چونکہ اللہ کا یہ وعدہ تھا کہ ایمان لانے والوں کو زمین کا اقتدار دے گا تو صحابۂ کرام کے لیے ایسے حالات پیدا کیے گئے کہ عرب کے بعد روم و ایران بھی مفتوح ہو گئے۔ یہ خدائی وعدہ کا ظہور تھا جو سورۂ نور میں اس طرح بیان کیا گیا تھا:

''تم میں سے جو لوگ ایمان لائے اور جنھوں نے عملِ صالح کیے، ان سے اللہ کا وعدہ ہے کہ ان کو ملک میں اقتدار بخشے گا جیسا کہ ان لوگوں کو اقتدار بخشا جو ان سے پہلے گزرے اور ان کے اس دین کو متمکن کرے گا جس کو ان کے لیے پسندیدہ ٹھہرایا اور ان کی اس خوف کی حالت کے بعد اس کو امن سے بدل دے گا۔ وہ میری ہی عبادت کریں گے اور کسی چیز کو میرا شریک نہیں ٹھہرائیں گے۔ اور جو اس کے بعد کفر کریں گے تو درحقیقت وہی لوگ نافرمان ہیں۔'' (۲۴: ۵۵)

جس کے بعد ہم یہ دیکھتے ہیں کہ خلفاے راشدین نے دنیا پر اس طرح حکومت کی کہ گویا آسمانی بادشاہی دنیا میں قائم ہو گئی۔ اس آسمانی بادشاہی میں خلیفۂ وقت سب کا خادم ہوتا تھا اور تمام شہری برابر کی حیثیت کے مالک تھے۔ عدل و انصاف عام تھا۔ مالی فراوانی تھی۔ امن و امان میسر تھا۔ یہ اسلامی تعلیمات پر عمل کرنے کی وہ برکتیں تھیں جو اس زمین پر ہی ظاہر ہوئیں۔

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

قرآن مجید کے مطابق رسولوں کی اقوام کو دنیا میں دی جانے والی یہ سزا اور جزا دراصل قیامت کے آنے کا ایک زندہ ثبوت ہیں۔ اس بات کا ثبوت ہیں کہ اس دنیا کو بنانے والا خدا اس سے لاتعلق ہو کر نہیں بیٹھا۔ بلکہ وقفے وقفے سے وہ اسی دنیا میں اپنے رسولوں کو بھیج کر سزا و جزا دیتا رہتا ہے تاکہ لوگ آخرت کی سزا و جزا کا انکار نہ کر بیٹھیں۔ آخری دفعہ یہ سزا و جزا عرب کی سرزمین میں برپا کی گئی اور اس کی روداد قرآن مجید اور تاریخ کے ریکارڈ میں محفوظ کر دی گئی کہ کس طرح تن تنہا ایک شخص نے ایمان کی صدا دی اور اللہ کا یہ فیصلہ سنا دیا کہ نہ ماننے والے آخر کار ہلاک کر دیے جائیں گے۔ دوسری طرف یہ اعلان کر دیا گیا کہ ماننے والوں کو زمین کا اقتدار دے دیا جائے گا۔ صرف ربع صدی میں یہ دونوں باتیں پوری طرح ظاہر ہو گئیں۔ عرب کی پوری لیڈرشپ ہلاک کر دی گئی اور ماننے والے غریب اور بے کس لوگ اس زمانے کی سب سے بڑی سپر پاور بنا دیے گئے۔ اس سے یہ بات آخری درجہ میں ثابت ہو گئی کہ

جس خدا نے یہ معجزہ کر دیا، وہ قیامت بھی ضرور برپا کرے گا۔ اب مسلمانوں کی ذمہ داری صرف یہ ہے کہ وہ خود بھی دین پر عمل کریں اور ساتھ میں دین حق کی شہادت انسانیت کو دیتے رہیں اور ان تک پیغام حق پہنچاتے رہیں تاکہ قیامت کے دن اللہ کے بندے اور بندیاں یہ نہ کہہ سکیں پروردگار ہمیں آپ کے منصوبے کا علم نہیں ہو سکا۔ یہی مسلمانوں کے کرنے کا اصل کام ہے۔ یہی وہ کام تھا جو صحابۂ کرام نے سرانجام دیا:

''اور اسی طرح ہم نے تم کو ایک درمیانی امت بنایا ہے تاکہ تم لوگوں پر گواہ ہو اور رسول تم پر گواہ ہو۔''

(البقرہ ۲: ۱۴۳)

خلاصہ اس گفتگو کا یہ ہے کہ اسلام انسانیت کے لیے فلاح کا پیغام لایا ہے۔ یہ فلاح آخرت کی ابدی زندگی کی بھی اور دنیا کی بھی ہے۔ اسلام کسی پر زور زبردستی نہیں کرنا چاہتا۔ اللہ تعالیٰ چاہتے تو کسی کے لیے ممکن نہ تھا کہ وہ اس کی نافرمانی کر سکے۔ اللہ نے جس طرح پوری کائنات کو اپنے حکم کا پابند کر رکھا ہے، اسی طرح وہ انسان کو بھی بنا سکتے تھے۔ مگر وہ انسانوں کا امتحان لے رہے ہیں کہ کون بن دیکھے اچھے عمل کرتا ہے۔ اسلام اول تا آخر دعوت ہے۔ یہ کوئی جبر نہیں۔ یہ دعوت انسان کو آزاد مان کر دی جا رہی ہے۔ اور دعوت ہی اس بات کی ہے کہ ایک محدود دائرے میں اپنی آزادی کو چھوڑ کر خدا کی بندگی اختیار کر لو۔ اس کا بدلہ ختم نہ ہونے والی جنت ہے۔ یہی معاملہ اسلامی احکام کا ہے، چاہے ان کا تعلق فرد سے ہو یا اجتماع سے۔ اسلام کا راستہ انذار اور تبشیر ہے۔ نیکی کی تلقین اور برائی سے منع کرنا ہے۔ اسلام جبر نہیں، نفرت نہیں۔ اسلام محبت ہے۔ اسلام دعوت ہے۔ یہی اسلام کا خلاصہ ہے۔ یہی امن کی راہ ہے۔

آپ کا بہت بہت شکریہ۔

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org